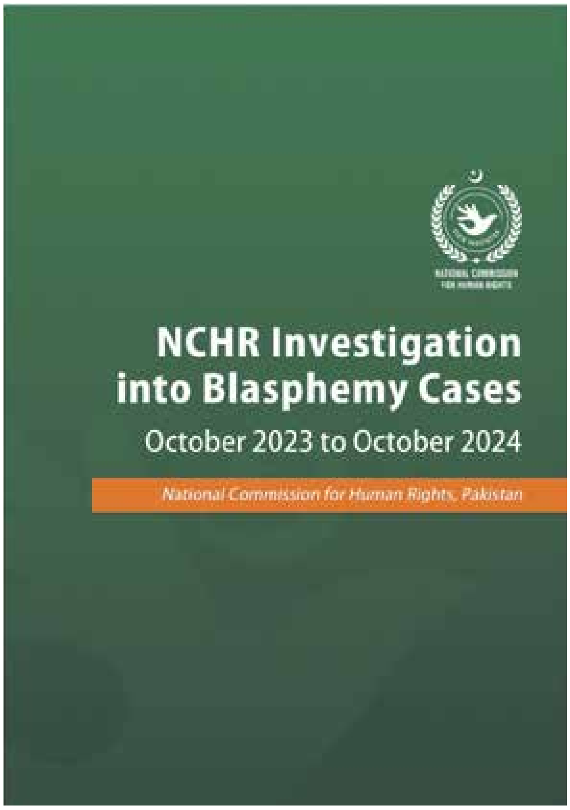
پاکستان میں توہینِ مذہب کے قانون کا ناجائز استعمال

(نیشنل کمیشن برائے انسانی حقوق (NCHR) پاکستان کی رپورٹ اکتوبر ۲۰۲۳ء تا اکتوبر ۲۰۲۴ء میں پیش کیے جانے والے بعض روح فرسا حقائق سے ماخوذ)

(ابو حارث)



ریاستی آئین کسی بھی معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو ریاست میں شہریوں کے حقوق اور فرائض کو متعین کرنے کے ساتھ ساتھ قانون کے دائرے میں ہر فرد کو مساوی مقام اور حقوق فراہم کرتا ہے۔ قوانین انسانی اقدار اور فردِ واحد کی شخصی آزادی کی حفاظت کو یقینی بناتے اور معاشرے میں انصاف، امن اور خوشحالی کو ممکن بناتے ہیں۔ آج کی دنیا میں جہاں ہر چیز میں وقوع پذیر ہونے والی جدّت نے ہر شعبے میں انقلاب برپا کر دیا ہے، جامع آئین و قانون کے بغیر صحت مند معاشرے کا قیام نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا ہے۔ یہ بات بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں جس قدر برداشت، انصاف اور انسانی اقدار کی پاسداری ہو گی اسی قدر معاشرہ مضبوط ہو گا اور خوشحالی اور ترقی اُس کے قدم چومے گی۔

پاکستانی آئین میں انسانی حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کے لیے مختلف قوانین کا تعین کیا گیا ہے، تاہم کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جن کی آڑ میں پاکستانی معاشرہ بعض لوگوں کے بنیادی حقوق کو غصب کرنا عین عبادت خیال کرتا ہے جیسے کہ توہینِ مذہب کے قوانین کا موجودہ استعمال اور اس کے نتیجے میں عوام میں پیدا ہونے والی بے چینی اور عدمِ تحفظ کا شدید احساس اس امر کا عکّاس ہے۔

پاکستان میں توہینِ مذہب سے متعلقہ قوانین کی وجہ سے پیدا ہونے والی موجودہ صورتحال کئی سوالات کو جنم دیتی ہے۔ حالیہ رپورٹ جسے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (NCHR) نے شائع کیا ہے ان قوانین میں پائی جانے والی خامیوں اور ان سے وابستہ مسائل کی جانب توجہ دلاتی ہے۔ اس تجزیے میں ہم اس رپورٹ کے اہم نکات، توہینِ مذہب کے قانون کے بے جا استعمال یا اس کے درست استعمال کے لیے وضع کیے جانے والے طریقہ کار کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی خامیوں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالیں گے۔

مذکورہ رپورٹ میں مختلف جیلوں میں قید ملزموں سے انٹرویوز لینے کے بعد روح فرسا حقائق سامنے لائے گئے ہیں۔ ان حقائق سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکثر ملزمان کو گرفتار کرنے سے قبل ضابطے کی کارروائی کو بالائے طاق رکھا گیا وہاں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے ملزمان پر لگائے جانے والے الزامات کی صداقت پر شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً

سنٹرل اڈیالہ جیل راولپنڈی

میں قید زیادہ تر ملزمان کے خلاف درخواست گزار ایک ہی شخص ہے۔ مزید یہ کہ ایک قیدی جس سے انٹرویو لیا گیا اپنے اوپر لگائے جانے والے توہینِ مذہب کے الزام سے چند ماہ قبل بصارت سے محروم ہو چکا تھا۔ انتظامیہ کے بلائے جانے پر جب وہ حاضر ہوا تو اسے اُس پر لگائے جانے والے الزامات کی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اور اُس سے وہ والا موبائل طلب کیا گیا جس سے اُس نے گستاخانہ مواد سوشل میڈیا پر شیئر کیا تھا، وہ موبائل جس کا وجود ہی نہ تھا۔ اور ویسے بھی اُس کی طبی حالت اُسے کسی موبائل کے استعمال کی اجازت ہی نہ دیتی تھی۔ بہر کیف تفتیشی ٹیم نے ایک موبائل برآمد کر لیا جو اس قدر ٹوٹا ہوا اور خستہ حال تھا کہ اُس کا فرانزک معائنہ بھی ناممکن تھا۔ گویا اگرچہ وہ موبائل کسی بھی طرح ملزم کا ثابت نہیں ہو سکتا تھا، اس کے باوجود اُس کے خلاف کارروائی کر دی گئی اور اُسے رہا نہ کیا گیا۔

ڈسٹرکٹ جیل لاہور

کے حالات بھی کم برے نہیں۔ NCHR کی ٹیم نے جیل کی کا دورہ کیا جہاں زیادہ تر توہینِ مذہب کے

الزام میں محبوس قیدیوں کو اسی طرح اس جال میں پھانسا گیا جیسے کہ راولپنڈی کی اڈیالہ جیل کے کیسز میں دیکھا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور اور اسلام آباد میں سرگرم نیٹ ورک کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے جو باقاعدہ ایک پلاننگ کے تحت معصوم لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان قوانین کے تحت گرفتار کرواتا ہے۔مثلاً اکثر کیسز میں ایک جیسے خواتین کے فرضی نام استعمال کیے جاتے ہیں۔ اکثر قیدیوں نے بتایا کہ کسی انجان لڑکی نے اُن سے رابطہ کیا جو ایک اسپینش نمبر یا جعلی فیس بک آئی ڈی کے ذریعے بات کرتی ہے۔ اس کے بعد انہیں توہین آمیز اور فحش مواد والے گروپس میں شامل کر دیا جاتا ہے جہاں انہیں بعض لالچیں دے کر مجبور کیا جاتا ہے کہ اس مواد کو آگے شیئر کریں۔

یہ قیدی عام طور پر ملازمت، کاروباری مواقع، امیگریشن، یا دوستی کے لالچ میں کسی عوامی جگہ جیسے ریستوران وغیرہ میں بلائے گئے جہاں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ابتدائی گرفتاریاں زیادہ تر پرائیویٹ افراد کے ذریعے ہوتی ہیں جو انہیں ذاتی گاڑیوں میں نامعلوم مقامات پر لے جاتے ہیں جہاں قیدیوں کے مطابق اُن پر جسمانی تشدّد کر کے ان کی ویڈیو ریکارڈنگز کی جاتی ہیں اور بعض کو تو بجلی کے جھٹکے بھی دیے جاتے ہیں۔ قیدیوں کا کہنا ہے کہ انہیں خالی کاغذات پر زبردستی دستخط یا انگوٹھے کے نشانات دینے پر مجبور کیا گیا۔ اس ابتدائی عمل کے بعد، انہیں FIA کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

گرفتاریوں میں ملوث افراد بااثر ہونے کی وجہ سے اکثر وکلاء پر دباؤ ڈالتے ہیں، ججوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور قیدیوں کے گھر والوں کو اُن سے قطع تعلقی پر مجبور کرتے ہیں۔

قیدیوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے فونز کی مناسب فورنزک معائنہ نہیں کیا گیا جس سے ان کی معصومیت ثابت ہوسکتی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ فیس بک گروپس میں لوگوں کو بغیر ان کی مرضی کے شامل کیا جا سکتا ہے۔

یہ امر بھی سامنے آیا کہ ان کیسز میں ملزمان کی گرفتاریاں مختلف شہروں میں کی گئیں، کچھ قیدیوں نے بتایا کہ انہیں پشاور، اسلام آباد اور فیصل آباد سے بلایا یا اٹھایا گیا۔ بیشتر کیسز میں پولیس رپورٹ (چالان) NCHR کے دورے کے وقت تک جمع نہیں کروائی گئی تھی۔

قیدیوں کے بیانات کے مطابق، تحقیقات ڈائریکٹر کی سطح پر نہیں کی گئیں جبکہ سیکشن A-156 آف

کرمنل پروسیجر کوڈ (CrPC) کے تحت دفعہ C-295 کے ملزمان کی تحقیقات کے لیے لازم ہے کہ کم از کم سپرنٹنڈنٹ کے عہدے کے افسر سے کروائی جائیں۔

لاہور میں قید ایک ملزم کی والدہ سے انٹرویو کیا گیا۔ شائستہ (فرضی نام) جو اپنے بیٹے اور خاندان کے لیے تنہا جدوجہد کر رہی ہیں، ان بھیانک مسائل سے نبرد آزما ہیں جنہوں نے ان کے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ان کا بیٹا، عزیر (فرضی نام) ایک محنتی نوجوان تھا جو ایک اسلامی یونیورسٹی میں MBA کے فائنل امتحانات کی تیاری کر رہا تھا۔ اس دوران وہ فیس بک پر ایک خرید و فروخت کے گروپ میں شامل ہوا جہاں اس کی ملاقات 'ایمان' نامی لڑکی سے ہوئی۔ ایمان نے عزیر سے دوستانہ اور ہمدردانہ انداز میں بات چیت شروع کی اور جلد ہی اس کے مالی مسائل اور نوکری کی مشکلات سے آگاہی حاصل کر لی۔ ایمان نے خود کو FIA کی ملازمہ ظاہر کیا اور عزیر کو نوکری کا وعدہ کرتے ہوئے اسے ملاقات کے لیے تیار کیا۔ کچھ ماہ کے دوران اس نے عزیر کا اعتماد جیت لیا۔ جب عزیر اپنی تعلیمی دستاویزات کے ساتھ سنٹورس میں ایمان سے ملنے پہنچا تو وہاں اسے علم ہوا کہ اُس کے گرد ایک جال بنا جا چکا ہے۔ اسے اغوا کر کے تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد FIA کے حوالے کر دیا گیا جہاں اس پر توہینِ مذہب کا الزام لگا دیا گیا۔

شائستہ اس اذیت کو تنہا جھیل رہی ہیں جبکہ ان کے شوہر کئی سو کلومیٹر دور بلوچستان میں اپنی نوکری کے سلسلے میں مقیم ہیں۔ شائستہ کو اپنے تین بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے بے پناہ جسمانی اور ذہنی دباؤ کا سامنا ہے۔ اپنی بیماری اور جسمانی کمزوری کے باوجود وہ اپنے چھوٹے بچوں کو تسلی دینے سے قاصر ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے انصاف کی امید میں اپنے تمام وسائل مہنگے وکیلوں پر خرچ کر چکی ہیں مگر انہیں انصاف کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ عزیر کی منگیتر بھی اسی اذیت میں مبتلا ہے جبکہ خاندان اور دوست رفتہ رفتہ ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر رہے ہیں کیونکہ معاشرے میں توہینِ مذہب کے الزام اچھوت کی بیماری سے کم نہیں۔

شائستہ کے بھائی نے جو کہ ایک پولیس افسر ہیں، بھی اس معاملے میں ان سے تعاون کرنے سے معذرت کر لی ہے۔ الغرض شائستہ اور ان کے خاندان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے۔ شائستہ کے لیے یہ بوجھ ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے اور ان کی آخری امید یہ ہے کہ ان کے بیٹے کی آزمائش ختم

ہو اور ان کا خاندانی وقار دوبارہ بحال ہو سکے۔ مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے یہ امید بھی ان کے لیے خواب بنتی جا رہی ہے۔

سنٹرل جیل کراچی

NCHR کی ٹیم نے خصوصی طور پر ان قیدیوں کا انٹرویو کیا جو FIA کی جانب سے توہینِ مذہب کے الزامات کے تحت سنٹرل جیل کراچی میں قید ہیں۔متعدد کیسز میں ۲۰۲۳ء میں درج کی گئی رپورٹوں کے تحت گرفتاریاں شامل ہیں۔ ایک کیس میں گیارہ قیدی ایف آئی آر نمبر ۱۳ کے تحت، چھ قیدی ایف آئی آر نمبر ۲۰۵ کے تحت اور تین قیدی ایف آئی آر نمبر ۴۳ کے تحت قید ہیں۔ یہ افراد مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اور گرفتاری سے قبل ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔

ان گرفتاریوں میں ایک خطرناک رجحان پایا گیا: چار، پانچ خواتین نے ایک ہی نام اور فون نمبروں کا استعمال کر کے ملزمان کو 'ہنی ٹریپ' کے ذریعے ان معاملات میں الجھایا۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ یہ خواتین سوشل میڈیا، خصوصاً فیس بک پر نوجوان مردوں سے دوستی کر کے آہستہ آہستہ انہیں غیر اخلاقی مواد کی حامل ویب سائٹس کی طرف متوجہ کرتیں۔ اس کے بعد ان افراد کو کوئی نہ کوئی لالچ دے کر ایک خاص مذہبی توہین آمیز image شیئر کرنے پر آمادہ کرتیں جسے ان کی گرفتاری کے بعد بطور ثبوت استعمال کیا گیا۔

یہ سب کر چکنے کے بعد خواتین ملزمان کو شادی، امیگریشن، مالی امداد یا قیمتی تحائف کے وعدے کر کے عوامی جگہوں پر ملنے کی دعوت دیتیں۔ جب ملزم مقررہ جگہ پر پہنچتے تو انہیں سادہ لباس میں موجود افراد اغوا کر کے نامعلوم مقامات پر لے جاتے جہاں ان کے فونز 'ثبوت' کے طور پر ضبط کر لیے جاتے اور انہیں سخت تفتیش اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا۔

گرفتار شدہ افراد کی عمر سترہ سے تینتیس سال کے درمیان تھی، جبکہ ایک ملزم کی عمر پینتالیس سال بھی تھی۔ ان قیدیوں کا تعلق مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تھا، جیسے طالب علم، دیہاڑی دار مزدور، دندان ساز، اکاؤنٹنٹ، سیلز مین، وغیرہ۔ غالب اکثریت کا تعلق ضرورت مند طبقے سے تھا۔

انہیں بھی بجلی کے جھٹکے دیے گئے اور اس جیل میں محبوس قیدیوں نے بھی الزام لگایا کہ ان سے

زبردستی خالی کاغذات پر دستخط لیے گئے اور کچھ افراد کو قانونی مدد بھی میسر نہیں تھی۔

NCHR کی رپورٹ کے مطابق ان قیدیوں کو پکڑوانے والا یہ نیٹ ورک خاص طور پر لاہور سے تعلق رکھتا ہے اور ایک بڑے گروہ کا حصہ ہے جو پاکستان میں معصوم لوگوں کو توہینِ مذہب کے الزام میں گرفتار کرنے کے لیے متحرک ہے۔ یہ نیٹ ورک لوگوں کو سفر کے اخراجات ادا کر کے لاہور بلانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کوئی لاہور آنے کی حامی نہ بھرے تو اُس کے ساتھ دیگر شہروں جیسے کراچی اور سکھر میں ملاقاتوں کا انتظام کرتا ہے۔ اس تمام معاملے میں ملوث لڑکیوں کے ذریعے افراد کو غیر اخلاقی اور توہین آمیز مواد بھیجا جاتا ہے اور پھر انہیں مختلف چیزوں کا لالچ دے کر اس مواد کو سوشل میڈیا گروپس میں شیئر کرنے کی تحریک کی جاتی ہے۔

محسوس ہوتا ہے کہ ایف آئی اے کے کچھ اہلکار اس نیٹ ورک سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ شامل ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ بے خوفی سے اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

مدیحہ (فرضی نام) اپنے چھوٹے بھائی بہرام (فرضی نام) کی زندگی میں شروع ہونے والے تاریک دور کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ بہرام ایک انتہائی ذہین نوجوان تھا جو بطور سول انجینئر ایک عمدہ کیریئر کا حامل تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی تعلیم میں بہترین کارکردگی دکھاتا رہا۔ مگر ایک خاتون 'ایمان' کے بھیجے ہوئے واٹس ایپ پیغامات کی وجہ سے اُس کی امیدوں کا چراغ گویا گُل ہو کر رہ گیا۔

ایمان نے بہرام کو بتایا کہ وہ حال ہی میں اسپین سے واپس آئی ہے، اسے اُس کے شوہر نے چھوڑ دیا ہے اور وہ ایک 'اعلیٰ پوسٹ' پر کام کرتی ہے۔ ایمان نے بہرام پر مسلسل فحش مواد بھیجنے کے لیے زور ڈالا۔ بہرام نے اس سے دُور رہنے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئی۔

۲؍ جون ۲۰۲۳ء کو صبح کے وقت ایف آئی اے کی ایک ٹیم نے سرچ وارنٹ سمیت ان کے گھر چھاپہ مارا۔ انہوں نے بہرام کا فون اور دیگر الیکٹرانک چیزیں ضبط کیں اور صبح ساڑھے نو بجے تک اس کے خلاف ایف آئی آر درج کی جا چکی تھی۔ اس کے گھر والوں کو کچھ علم نہ تھا کہ اچانک یہ کیا ہو گیا۔ انہیں خاموش رہنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ انہیں 'سنگین نتائج' سے ڈرایا گیا۔

اس واقعہ سے بہرام کے والدین کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی، وہ مسلسل گھبراہٹ کے دوروں کا شکار

ہیں۔ ہر دن ان کے لیے ایک جد و جہد سے کم نہیں کہ وہ کسی طرح سے خود کو سنبھال سکیں۔ وہ اپنی زندگی کی نصف سے زائد savings خرچ کر چکے ہیں، اور پھر بھی ہر ماہ انہیں جیل میں بہرام کی ضروریات یعنی کھانے وغیرہ کے لیے ستر، اسّی ہزار روپے جمع کروانے پڑتے ہیں۔ اُن کا سارا خاندان ایک انجانے خوف میں زندگی گزار رہا ہے۔ نہ وہ مسجد جا سکتے ہیں اور نہ ہی نارمل زندگی گزار سکتے ہیں۔

بہرام، جو چار بہن بھائیوں میں سے ایک ہے، اب بھی جیل میں ہے، جبکہ اس کا خاندان ہر روز معاشرے میں توہینِ مذہب کے جھوٹے الزام کی وجہ سے پیدا ہونے والے شدید دباؤ اور بدنامی کا سامنا کرنے کی جنگ لڑ رہا ہے۔ ان کی زندگی میں چھائے ہوئے خوف نے انہیں نڈھال اور مایوس کر دیا ہے۔ اس بے بنیاد الزام کی وجہ سے وہ ایک ایسے ڈراؤنے خواب میں پھنس چکے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی۔

عثمان اقبال کا واقعہ

عثمان اقبال (فرضی نام)، اٹھارہ سالہ طالب علم آئی ٹی، اپنی زندگی کے خوابوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ سانحہ اس وقت پیش آیا جب اس نے اپنا قومی شناختی کارڈ حاصل کیا۔عثمان پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے جو مالی مشکلات کے باوجود تعلیم جاری رکھے ہوئے تھا۔

فیس بک پر ایک لڑکی کے اکاؤنٹ سے اسے پیغامات موصول ہوئے جس نے جلد ہی عثمان کو ایک جعلی تعلق میں الجھا دیا۔ اس اکاؤنٹ کی مالک نے پہلے اسے چند نازیبا تصاویر بھیجیں اور پھر اس سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی اُسے ایسی ہی تصاویر بھجوائے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے عثمان کے ساتھ ملاقات کا منصوبہ بنایا۔عثمان، اس چال کو سمجھے بغیر، ایک 'دوست' سے ملنے کی امید میں مقامِ ملاقات پر پہنچ گیا۔

ملاقات کی جگہ پر پہنچتے ہی عثمان کو کچھ لوگوں نے گھیر لیا جن میں سے ایک ایف آئی اے کا کارندہ تھا۔عثمان کا موبائل فون اور اس کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس کی تفصیلات، بشمول پاس ورڈ حاصل کر لیے گئے۔ اس کے خلاف FIR درج کی گئی جس میں اس کے علاوہ ایسے چھ افراد کے نام بھی شامل تھے جن کو عثمان جانتا تک نہ تھا اور نہ ہی اُس کا کبھی اُن سے رابطہ ہوا تھا۔

عثمان کا خاندان اس واقعے کے بعد شدید صدمے سے دوچار ہے۔ اس کے گھر والے مالی اور

جذباتی ہر لحاظ سے اس کی مدد کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہیں اور اس ضمن میں وکلاء کی فیسوں کے بوجھ اور اس الزام میں اس کی گرفتاری کے ساتھ جڑی سماجی قدغن کو برداشت کرنے کے کرب سے گزر رہے ہیں۔عثمان کے خواب، اس کی تعلیم اور اس کا مستقبل ہر گزرتے دن کے ساتھ دُور ہوتے جا رہے ہیں اور اس کا خاندان اس اندوہناک صورتحال سے باہر نکلنے کی امید لگائے بیٹھا ہے۔

رپورٹ کا پس منظر اور اہم اعداد و شمار

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (NCHR) کی جانب سے شائع کردہ اس رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح FIA کے سائبر کرائم ونگ نے مبینہ طور پر نوجوانوں کو آن لائن رابطوں کے ذریعے ان معاملات میں الجھا کر ان کے خلاف توہینِ مذہب کے کیسز درج کیے۔ رپورٹ کے مطابق، FIA اور بعض پرائیویٹ لوگ باہمی تعاون سے ان افراد کو، جن میں اکثریت نوجوانوں کی ہے، ایسی سرگرمیوں میں ملوث کرتے ہیں جنہیں بعد میں توہینِ مذہب کے زمرے میں ڈال کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار خاص طور پر PECA ایکٹ 2018ء کے نفاذ کے بعد شدت اختیار کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ایسے کیسز کی تعداد میں تیزی سے اضافہ دیکھا گیا ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق

☆...2020ء میں گیارہ افراد پر توہینِ مذہب کے الزامات لگائے گئے، جبکہ 2024ء تک یہ تعداد 767 تک جا پہنچی ہے۔

☆...پنجاب میں 581 افراد، سندھ میں 120، خیبر پختونخواہ میں 64 اور بلوچستان میں دو افراد اس قانون کے تحت قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

☆...رپورٹ کے مطابق، قیدیوں میں اکثریت بیس سے تیس سال کی عمر کے نوجوانوں کی ہے، جن میں زیادہ تر مسلمان ہیں۔

اہم قانونی اور ضابطے کی خامیاں

رپورٹ میں جو خامیاں بیان کی گئی ہیں، وہ انصاف اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی

طرف اشارہ کرتی ہیں:

ا۔ دفعہ 295۔ج اور دیگر دفعات میں تضاد

پاکستان میں توہینِ مذہب کے قوانین میں دفعہ 295۔ج کے تحت سزائے موت کا نفاذ تو موجود ہے، مگر اس قانون کی تشریح اور اطلاق میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ رپورٹ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ قوانین بعض اوقات محض شکایت کی بنیاد پر لاگو کر دیے جاتے ہیں جس سے ان قوانین کا غلط استعمال بڑھ گیا ہے۔

۲۔شواہد کی غیر موجودگی اور غیر ذمہ داری

رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ بعض کیسز میں FIA نے شواہد کی تصدیق کے بغیر کارروائی کر دی۔ملزمان کے موبائل فون اور دیگر ڈیوائسز کا فورانزک معائنہ کیے بغیر گرفتاریوں کا عمل مکمل کیا گیا جو کہ کسی بھی تحقیقاتی عمل کے لیے بنیادی تقاضا ہے۔مزید برآں بہت سے قیدیوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ان سے زبردستی بیانات حاصل کیے گئے جن سے ان کے اقبالِ جرم گونہ مشکوک ہو جاتے ہیں۔

۳۔ قانونی تحفظ کی کمی

توہینِ مذہب کے کیسز میں اکثر ملزمان کو مناسب قانونی تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا، اور وکلا کو بھی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق بہت سے وکلا نے اپنی حفاظت کے پیشِ نظر ان کیسز کی وکالت کرنے سے انکار کر دیا جس سے ملزمان کو جائز قانونی نمائندگی سے محروم ہونا پڑا۔

۴۔ معاشرتی دباؤ اور مقاطعہ

ایسے کیسز کے ملزمان اور ان کے اہل خانہ پر معاشرتی دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ ملزم سے قطع تعلقی اختیار کر لیں۔ رپورٹ میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ بعض افراد کو ایسے الزامات کی وجہ سے اپنے رشتے داروں اور دوستوں وغیرہ سے مقاطعے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

۵۔ جیلوں میں قیدیوں سے غیر مناسب سلوک

رپورٹ میں ان قوانین کی خلاف ورزی میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کی جیل میں حالت کا بھی جائزہ لیا گیا جہاں انہیں غیر مناسب ماحول میں رکھا گیا ہے۔ قیدیوں کو جیل میں دیگر قیدیوں سے الگ رکھا جاتا ہے مگر ان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی میں کوتاہی برتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اڈیالہ جیل میں توہینِ مذہب کے الزام میں محبوس ایک ملزم حسنین علی اپنے پر کیے جانے والے تشدّد کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

ملزمان کے خاندانوں اور حکومتی ذمہ داران کے ساتھ سماعت (۳۰/ جولائی ۲۰۲۴ء)

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کو توہینِ مذہب کے کیسز کے بارے میں متعدد شکایات موصول ہوئیں، جیسا کہ شکایت نمبر ۲(۱۷۷) ۲۴ ۔ اٹھاسی[۸۸] درخواست گزاروں کے دستخطوں کے ساتھ بھجوائی گئی ان شکایات میں الزام لگایا گیا کہ ”جعلی اور بدنیتی پر مبنی توہینِ مذہب کیسز“ کو اڑھائی سو سے زائد تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کے خلاف درج کیا گیا ہے اور اس تمام عمل میں قانونی ضابطوں کی پاسداری نہیں کی گئی۔

۳۰/ جولائی ۲۰۲۴ء کو، NCHR نے ایک سماعت کی جس میں حکومتی ذمہ داران کو درخواست گزاروں کی موجودہ صورتحال پر بات کرنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ کمیشن کو موصول ہونے والے شواہد سے ایک سوچے سمجھے منظم طریق سے لوگوں کو ان معاملات میں پھنسانا ظاہر ہوتا تھا جس میں دھوکا دہی سے رابطے اور گرفتاریاں شامل تھیں۔ یہ بھی کہ ان معاملات کے پس پشت چند مخصوص افراد ہی نظر آتے تھے۔ (اس سماعت کی تفصیلات رپورٹ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے ملزمان کا تعلق نسبتاً کم خوشحال یا ضرورت مند سماجی و معاشی طبقوں سے ہے جو کہ متعلقہ قوانین کے بارے میں خاطر خواہ معلومات نہیں رکھتے اور انہیں قانونی چارہ جوئی حاصل کرنے میں بھی دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ اسپیشل برانچ کے نمائندے نے توہین مذہب

کے قانون کے تحت مقدمات کے اندراج کے طریقہ کار کی خرابیوں پر تشویش کا اظہار کیا جبکہ وزارتِ انسانی حقوق نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اس کی وجہ سے پاکستان کے دیگر ممالک یا اداروں کے ساتھ ہونے والے معاہدوں پر منفی اثرات پڑ سکتے ہیں۔

اس سماعت میں اٹھائے جانے والے سوالات کے جواب میں ایف آئی اے کے نمائندہ برائے سائبر کرائم نے کہا کہ وہ قانونی طریقہ کار کی پیروی کرتے اور معیاری فورانزک آلات استعمال کرتے ہیں تاہم انہوں نے اس ضمن میں مزید تفصیلات فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔

ان خطرناک رجحانات اور توہینِ مذہب کے قوانین کے ممکنہ غلط استعمال کے پیش نظر کمیشن نے تجویز دی ہے کہ ان کیسز کی منصفانہ تفتیش کے لیے مختلف حکومتی اداروں کے اعلیٰ عہدیداروں پر مشتمل ایک مشترکہ تحقیقاتی ٹیم (JIT) قائم کی جائے۔

کمیٹی کے دائرۂ عمل میں درج ذیل امور بھی شامل کیے جاسکتے ہیں:

☆... توہینِ مذہب کیسز میں بے حد اضافے کی وجوہات کی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ جانچ پڑتال کی جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ تفتیشی ادارے قانونی طور پر وضع شدہ ضابطوں کی پاسداری کر رہے ہیں۔

☆...ان پرائیویٹ افراد کے مقاصد اور اقدامات کی تحقیق کی جائے جو لوگوں کو ذاتی طور پر توہینِ مذہب کے الزام میں پھنساتے اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔

☆...ان کیسز کے حوالے سے پرائیویٹ افراد اور متعلقہ حکومتی عہدیداروں کے درمیان مبینہ گٹھ جوڑ کی جانچ پڑتال کی جائے۔

☆... عوام میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے مہم چلائی جائے تا کہ عوام کو ان عوامل سے آگاہ کیا جا سکے جو توہینِ مذہب کے الزامات کا باعث بنتے ہیں۔

☆...FIA کے طریقہ کار کا جائزہ لیا جائے اور حسبِ ضرورت اس میں اصلاحات کی سفارش کی جائے تا کہ توہینِ مذہب کے کیسز کو بہتر طریقے سے ہینڈل کیا جا سکے۔

شکایت کنندگان اور ملزمان کے خاندانوں کو JIT کے سامنے اپنے مسائل کے ساتھ ساتھ متعلقہ

شواہد پیش کرنے کا موقع فراہم کیا جائے تا کہ منصفانہ اور شفاف کارروائی یقینی بنائی جاسکے۔

اصلاحات کے لیے تجاویز

اس ضمن میں انصاف کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے NCHR نے متعدد اہم تجاویز دی ہیں جو کہ توہینِ مذہب قوانین کو بہتر بنانے کے لیے معاون ثابت ہوسکتی ہیں:

۱۔ قوانین میں واضح تبدیلیاں

سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ دفعہ 295۔ج اور توہینِ مذہب کی متعلقہ دیگر دفعات میں مناسب اصلاحات کی ضرورت ہے۔ نیز ایسے قوانین کے نفاذ کے لیے جو طریقہ کار وضع کیا گیا ہے اس کی پابندی کروائی جائے نیز اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کسی بھی فردِ واحد پر توہینِ مذہب کا الزام لگنے پر باضابطہ اور جامع تفتیش ہو۔ اس سے اس قانون کے غلط استعمال کی حوصلہ شکنی ہو گی۔

۲۔ تفتیشی عمل کی شفافیت

ایف آئی اے اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو چاہیے کہ وہ ہر کیس میں شواہد اور متعلقہ املاک مثلاً کمپیوٹر، موبائل فون وغیرہ کا مکمل اور غیر جانب دارانہ فورانزک تجزیہ کریں۔ یہ بات ضروری ہے کہ الزامات کی تصدیق کے لیے ٹھوس شواہد موجود ہوں تا کہ ہر بے گناہ فرد سزا سے محفوظ رہے۔

۳۔ قانونی تحفظ میں اضافہ

توہینِ مذہب کے کیسز کے ملزمان کو مناسب قانونی مدد فراہم کی جائے اور ایسے کیسز کے دفاع کے لیے آگے آنے والے وکلا کو تحفظ فراہم کیا جائے تا کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنے موکل کی نمائندگی کر سکیں۔

۴۔ معاشرتی شعور اور ڈیجیٹل تعلیم

حکومت کو چاہیے کہ وہ عوام میں اس حوالے سے شعور اجاگر کرے اور دورِ حاضر میں تیزی سے

پھیلنے والے ڈیجیٹل میڈیا کے فوائد و نقصانات اور ان کے مثبت استعمال سے آگہی پیدا کرے تا کہ نوجوان آن لائن سوشل میڈیا کے خطرات سے آگاہ ہوں اور غلط سرگرمیوں سے بچ سکیں۔

۵۔ قیدیوں کے انسانی حقوق کا تحفظ

جیلوں میں قیدیوں کو بہتر ماحول فراہم کیا جائے اور انہیں طبی اور نفسیاتی سہولیات فراہم کی جائیں۔ قیدیوں کو ایسی سہولیات دینا انصاف کا اہم تقاضا ہے، خاص طور پر ایسے ملزمان کے لیے جن پر عائد کیے جانے والے الزامات ابھی تک عدالت میں ثابت نہیں ہوئے۔

۶۔ نوجوانوں کے لیے مثبت سرگرمیاں اور اُن کی ذہنی صحت کی حفاظت

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق NCHR کی رپورٹ میں نوجوانوں کی ذہنی صحت کے مسائل کو بھی اجاگر کیا گیا ہے اور اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کے لیے ذہنی صحت کی سہولیات اور مثبت سرگرمیوں کے مواقع فراہم کرے تا کہ انہیں بہتر اور مثبت زندگی گزارنے کے مواقع مل سکیں۔

موجودہ دور میں توہینِ مذہب قوانین میں پائے جانے والے نقائص اور ان کے غیر مناسب اطلاق کی وجہ سے بے گناہ افراد متاثر ہو رہے ہیں۔ NCHR کی رپورٹ ان مسائل کو اجاگر کرتی ہے اور ان کے حل کے لیے نہایت مفید تجاویز پیش کرتی ہے۔ انصاف اور انسانی حقوق کی بالادستی کے لیے ضروری ہے کہ توہینِ مذہب کے قوانین کا اطلاق انتہائی احتیاط اور عدل و انصاف کے اصولوں کے تحت کیا جائے۔ اگر ان قوانین کو غیر جانبداری اور شفافیت کے ساتھ لاگو کیا جائے تو پاکستان میں نہ صرف عدل و انصاف کی بالادستی ہوگی بلکہ انسانی حقوق کا تحفظ بھی ممکن ہو سکے گا۔

اختتامیہ

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے اس سنگین مسئلے کے لیے مناسب اقدامات کروانے کی کوشش شروع کیے ایک سال گزر چکا ہے لیکن حکومت کی طرف سے سینکڑوں نوجوانوں کو ایک خاص طریقے سے جال میں پھنسا کر توہینِ مذہب کے الزامات میں گرفتار کرنے اور قید کرنے سے روکنے کے

لیے کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں کیا جا سکا۔ ہر ایف آئی آر کسی کی زندگی کو متاثر کرتی ہے اور جو لوگ قید ہیں ان کے لیے ہر دن خوف سے بھرا ہوتا ہے۔ انہیں نہ صرف اپنے پر لگائے گئے جھوٹے الزامات کی سزاؤں کا خوف ہوتا ہے بلکہ وہ دوسرے قیدیوں کی طرف سے ممکنہ حملے کے ڈر سے بھی دوچار رہتے ہیں۔ جیلوں میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اپنے آپ کو ماورائے عدالت سزا دینے کا حق دار سمجھتے ہیں۔ توہینِ مذہب کے الزام میں گرفتار افراد کو ایک سنگین حقیقت کا سامنا ہے جہاں طویل قانونی عمل میں دہائیاں لگ سکتی ہیں جس سے وہ مستقل پریشانی اور مایوسی کا شکار رہتے ہیں۔

توہین مذہب کے مقدمات کے تعلق میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے اٹھائے جانے والے بدنیتی، بلیک میلنگ اور نجی افراد کے ملوث ہونے جیسے سنگین خدشات ابھی تک حل نہیں کیے گئے۔ ان الزامات میں محبوس ان نوجوانوں کو منصفانہ اور شفاف تحقیقات نیز آئینی حق برائے منصفانہ ٹرائل کی ضرورت ہے، جو ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی پہنچ سے دُور ہوتا جا رہا ہے۔

☆…☆…☆

(الفضل انٹرنیشنل ۶ و ۷؍نومبر ۲۰۲۴ء)